(عمل الشکر)

(شکرِ عملی)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱		۷
۲	اعمال صالحہ کو حصول ولایت میں دخل ہے	۸
۳	عمل کی ضرورت	۹
۴	لذت علوم اور لذت محبت میں فرق	۹
۵	مستی جنوں اور مستی عقل میں فرق	۱۰
۶	حماقت صریحہ	۱۱
۷	اکابر صوفیاء کا اصطلاحات کے استعمال	۱۲
۸	حکایت حضرت بایزید	۱۴
۹	حکایت حضرت امام شافعی	۱۵
۱۰	عوام کو اہل اللہ کی گستاخی اور بے ادبی جائز نہیں	۱۶
۱۱	ذکر کا لطف	۱۸
۱۲	حرارت غریزیہ کی مستی	۱۹
۱۳	روحانی لذت	۲۰
۱۴	پرانی جوروا ماں ہو جاتی ہے	۲۱
۱۵	طیبات کی دو تفسیریں	۲۲
۱۶	ہر آیت میں رحمت خداوندی	۲۳
۱۷	حق تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے مشفقانہ تعلق	۲۴
۱۸	حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت اختیاری ہے	۲۵
۱۹	غذائے ہضم کا چورن	۲۷

۲۰	دیدار خداوندی	۲۸
۲۱	حکایت زیب النساء مخفی	۲۹
۲۲	جنت میں دیدار خداوندی	۳۰
۲۳	جمال خداوندی	۳۲
۲۴	شکر کا طریقہ شرعاً عمل ہے	۳۲
۲۵	شکر کی حقیقت	۳۳
۲۶	شکر کی صورت اور حقیقت	۳۴
۲۷	حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب m	۳۴
۲۸	کامل شکر	۳۵
۲۹	عبدیت کے کام	۳۶
۳۰	مسئلہ غلامی کی حقیقت	۳۶
۳۱	اصل مقصود اعمال ہیں	۳۸
۳۲	روافض کا ماتم	۳۸
۳۳	اہل وجد کا حال	۴۰
۳۴	اعمال میں خلوص کی ضرورت	۴۱
۳۵	حکایت حضرت بایزید بسطامی m	۴۱
۳۶	اشکال کا جواب	۴۲
۳۷	تطییب قلب مسلم میں ریا نہیں	۴۲
۳۸	قرآن فروشی	۴۳
۳۹	ایک متقی قاری کی حکایت	۴۴
۴۰	ہماری نقل بھی ناقص ہے	۴۵
۴۱	اعمال صالحہ کا ثمرہ	۴۶
۴۲	دنیا کی عجیب مثال	۴۸
۴۳	دولت جمعیت باطن	۴۹

وعظ

(عمل الشکر)

(شکرِ عملی)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''عمل الشکر'' ۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۴۰ھ کو بعد نماز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوکر مسجد امدادیہ تھانہ بھون میں ارشاد فرمایا جسے محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی نے قلم بند فرمایا۔

وعظ میں شکر کی حقیقت پر کلام کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتوں پر صرف زبانی شکر نہ کیا جائے بلکہ عملی شکر کیا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے سے حاصل ہوگا۔ شرکاء وعظ کی تعداد ۳۵ تھی۔

خلیل احمد تھانوی

۱۱/ستمبر ۲۰۱۳ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ﴾(۱)

''اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو''

T

آج کے مضمون کا خلاصہ دو امر ہیں عمل صالح کی ضرورت اور اس کے آداب۔ اور وجہ اس کے اختیار کی یہ ہے کہ اس سے پہلے دو بیان ہوئے ہیں ایک میں آیت ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾(۲)''یاد رکھو اللہ

(۱) سورۂ بقرہ:۱۷۲ (۲) سورۂ یونس:۶۲۔

کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں'' کو اختیار کیا تھا اور دوسرے میں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ ''بیشک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر استقامت اختیار کی'' الآیات کو اختیار کیا تھا۔

اعمال صالحہ کو حصول ولایت میں دخل ہے

حاصل دونوں کا ایک تھا جس کو اس بیان کے ارتباط کے لئے ظاہر کرتا ہوں(۱) حاصل دونوں کا یہ تھا کہ ولایت ختم نہیں ہوئی جیسا کہ نبوت ختم ہوچکی ہے اس لئے ولایت ہر شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جس کا طریقہ ایمان وعمل صالح ہے۔ اس ولایت کا ایک درجہ تو نفس ایمان ہی سے حاصل ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بیان میں ایمان کا استقامت ہونا ثابت کیا گیا تھا مگر عرفاً اس کو ولایت نہیں کہتے اور خواص بھی مطلق ولایت سے اسی کو مراد نہیں لیتے اور اس کو ولایت عامہ سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ عرفاً ایمان وعمل صالحہ میں ترقی کرنے کو ولایت کہتے ہیں جسے خواص ولایت خاصہ کہتے ہیں مگر عوام اسی کو ولایت کہتے ہیں اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ ولایت بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ عمل میں ترقی کرکے اس کو بھی ہر شخص حاصل کرسکتا ہے اور گو ایمان بھی ایک عمل صالح ہے اور حق تعالیٰ نے ایمان کو بھی عمل فرمایا ہے مگر وہ عمل قلب سے اس پر محاورات میں اطلاق کے ساتھ عمل کا اطلاق نہیں کیا جاتا بلکہ مطلق عمل سے اکثر مراد عمل فرعی ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے ایمان و عمل کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ ورنہ یہ بھی کہنا صحیح تھا کہ عمل میں ترقی کرنا ولایت ہے بہرحال ولایت خاصہ میں ایمان وعمل صالح دونوں کو دخل ہے ایمان کا دخل تو ظاہر ہے اور اعمال صالحہ کو حصول ولایت میں اس لئے دخل ہے کہ یہ اعمال مکمل ایمان ہیں۔

(۱) اس بیان کا گذشتہ بیان سے ربط معلوم ہوجائے۔

عمل کی ضرورت

اب سمجھو کہ جب اعمال صالحہ مکمل ایمان ہیں یعنی ان سے رضا وقرب الٰہی میں ترقی ہوتی ہے اور قرب ورضا سے حق میں ترقی ضروری ہے اور ضروری کا ذریعہ ضروری ہوا کرتا ہے تو اعمال کا اہتمام ضروری ہوا۔ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں ان کی ضرورت نہ ہو اور گزشتہ بیان سے وہ یہ سمجھ گیا ہو کہ جب نفس ایمان سے بھی استقامت حاصل ہوجاتی ہے۔ اور استقامت کے ثمرات نزول ملائکہ وبشارت جنت وغیرہ ہیں۔ تو اب کسی اور کام کی کیا ضرورت ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اس وقت اعمال کی ضرورت بتلائی جاوے۔ کیونکہ عام طور سے لوگ اس میں بہت کوتاہیاں کرتے ہیں اعمال کی ضرورت بہت کم سمجھتے ہیں چنانچہ بعض تو محض بزرگوں کی باتیں اور تصوف کے چند مسائل یاد کرکے ہی دعویٰ کمال کرنے لگتے ہیں۔ چاہے اعمال کیسے ہی ہوں نہ نماز کی پابندی نہ حقوق العباد کا خیال مگر تصوف کا دعویٰ ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص مٹھائیوں کے نام یاد کرلے اور عمر بھران کو رٹا کرے اس کو مٹھائی کے ثمرات لذت ونشاط (۱) اوراس کا مزہ قیامت تک حاصل نہیں ہوسکتا پھر نام یاد کرنے سے کیا فائدہ۔

لذت علوم اور لذت محبت میں فرق

اسی طرح اس طریق میں محض مسائل یاد کرلینے اور مقام وحال کی تعریف جان لینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ مقام وحال حاصل نہ ہوا ہو مگر ان لوگوں کو دھوکہ اس سے ہوگیا کہ علوم حقہ (۲) میں بھی ایک قسم کی لذت ہوتی ہے جس کو یہ لوگ محبت کی لذت سمجھ گئے اور محض باتیں ہی یاد کرلینے سے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور چونکہ تصوف کی باتیں مزیدار ہوتی ہیں عوام کو بھی ان میں لطف آتا

(۱) مزہ اور فرحت (۲) سچے علوم۔

ہے اس لئے وہ بھی ان باتیں بنانے والوں کو کامل سمجھنے لگے حالانکہ دونوں لذتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے مولانا فرماتے ہیں۔

کار مردان روشنی و گرمی است کار دونان حیلہ وبے شرمی ست

''مردوں کے کام روشنی اور گرمی ہے اور کمینوں کے کام بے شرمی اور بے حیائی ہے''

لذت محبت میں انوار ہوتے ہیں جس سے اخلاق رذیلہ کی ظلمت دور ہوجاتی ہے تواضع اور فنا(۱) کا مذاق حاصل ہوجاتا ہے۔ اور لذت علوم سے دعویٰ کمال اور چالاکی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اس لئے دونوں میں بون بعید ہے(۲)۔

مستی جنوں اور مستی عقل میں فرق

اسی طرح کبھی محبت طبعی کی مستی محبت عقلی کی مستی سے متشابہ ہوجاتی ہے اور کبھی برعکس مولانا فرماتے ہیں۔

اوگل سرخ ست تو خونش مخواں مست عقل ست او تو مجنونش مخواں

یعنی سرخی خوں میں بھی ہوتی ہے اور پھول میں بھی مگر دونوں میں بڑا فرق ہے پھول سے دماغ معطر ہوجائے گا اور خون خشک ہوکر سڑ جائے گا۔ اسی طرح ایک مستی جنون کی ہوتی ہے اور ایک مستی عقل کی دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر لوگ آج کل ہر مجنون کو مجذوب سمجھتے ہیں اور جس کو خشکی دماغ سے (۳) کچھ خیالی الہامات یا کشف ہونے لگے وہ خود بھی اپنے کو کامل مجذوب سمجھ لیتا ہے کیونکہ مستی میں دونوں بظاہر یکساں نظر آتے ہیں مگر ایک مست عقلی ہے اور ایک مست بے عقلی (۴)۔

(۱) اپنے کو مٹانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے (۲) اس لئے دونوں میں بہت فرق ہے (۳) دماغ میں خشکی ہوجانے کی وجہ سے (۴) ایک عقلی مدہوش دوسرا بے عقلی مدہوش۔

مست عقلی کی شان یہ ہے کہ اس کی خطا بھی صواب ہے۔ اور مست بے عقلی کا صواب بھی خطا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

گر خطا گوید او را خاطی مگو　　درشود پر خون شہید آنرا مشو
خون شہیداں راز آب اولی ترست　　ایں خطا از صد صواب اولی ترست

''اگر غلطی کرے اس کو خطا وار مت کہو اگر شہید خون میں لت پت ہوجائے اس کو غسل مت دو کیونکہ شہیدوں کا خون آب حیات سے بہتر ہے اور یہ خطا صد صواب سے بہتر ہے''

حماقتِ صریحہ

بعض لوگوں کو بعض خارجی آثار (۱) سے اشتباہ ہوجاتا ہے چنانچہ دجال کو بعضے نبی اور بعضے خدا سمجھیں گے کیونکہ اس کے ہاتھ سے خوارق (۲) بکثرت ظاہر ہوں گے اس لئے بہت لوگ اس کو نبی کہیں گے اور بہت لوگ اس کو خدا سمجھیں گے خصوصاً وہ لوگ جو حلول کے قائل ہیں (۳) اور وہ لوگ جو کہ وحدت وجود میں غلو کئے ہوئے ہیں (۴)۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے اس عقیدہ پر صریح وعید و تکفیر فرمائی ہے عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نعوذ باللہ خدا نے عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا ہے ان کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (۵) ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ عین عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہے وہ کافر ہوگئے''

اور جو لوگ وحدت وجود میں غلو کئے ہوئے ہیں وہ تو ہر چیز کو نعوذ باللہ خدا

(۱) بیرونی اثرات (۲) خلاف عادت کام (۳) جنکا نظریہ یہ ہے کہ خدا کسی بندے میں حلول کرسکتا ہے (۴) مسئلہ وحدت الوجود میں غلو کرتے ہیں (۵) سورۃ المائدۃ: ۱۷۔

کہتے ہیں وہ دجال کو بھی کہیں تو کیا تعجب ہے حالانکہ اس کی پیشانی پر ''ک'' ''ف'' ''ر'' لکھی ہوئی ہے یعنی کافر۔ حدیث میں الف کا ذکر وارد نہیں کیونکہ رسم خط عربی میں کُفر بدون الف (۱) کے بھی لکھا جاتا ہے پھر اس کے بعد بھی اسے نبی وغیرہ سمجھنا حماقت صریحہ ہے مگر شاید وہ اس میں بھی کچھ تاویل کرلیں کہ کافر سے مراد کافر عشق ہے جیسے امیر خسرو نے فرمایا ہے۔

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

''میں عشق میں فانی ہوں بقا مجھے درکار نہیں میری رگ تار ہوگئی ہے مجھے زنار کی ضرورت نہیں ہے''

مگر یہ تاویل یہاں نہیں چل سکتی کیونکہ کافر عشق کی اصطلاح امیر خسرو یا ان کے مثل شعراء کی خاص اصطلاح ہے شارع کی اصطلاح نہیں اور وہ کتابت حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگی جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے خدا اور رسول اللہ ﷺ کے کلام میں کافر کے معنی وہی ہوں گے جو شریعت کی اصطلاح ہے کیونکہ اگر کوئی دوسرے معنی مراد ہوں گے تو اس میں تلبیس ہوگی (۲) بہت لوگ دوسرے معنی کو نہ سمجھیں گے بلکہ کافر کو معنی شرعی ہی پر محمول کریں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے تلبیس ممتنع ہے۔

اکابر صوفیاء کی اصطلاحات کا استعمال

رہے وہ حضرات جن کا یہ کلام ہے ۔ کافر عشقم الخ ان پر بھی تلبیس کا شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ انہوں نے اپنے کلام کو نااہل کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں یحرم النظر فی کتبنا (نااہل کے لئے)

(۱) بغیر الف کے بھی لکھا جاتا ہے (۲) ملاوٹ لازم آئے گی۔

ہمارا یہ کتاب کا دیکھنا حرام ہے اب ان پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اعتراض جو کچھ ہے ان لوگوں پر ہے جنہوں نے دنیا کمانے کے لئے ان کتابوں کو چھاپ چھاپ کر شائع کیا ہے ان بے چاروں کو کیا خبر تھی کہ ایک زمانہ میں پریسوں کی کثرت ہوگی اور ہمارا کلام طبع ہوکر ہر شخص کی نظر سے گزرے گا یا اس کے جواب دہ وہ لوگ ہیں جو اپنی مجلسیں گرم کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال نااہلوں کے سامنے بیان کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں:

ظالم آں قومیکہ چشمان دو ختند از سخنہا عالمے را سو ختند

مولانا ان لوگوں کو ظالم فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک عالم کو اپنی باتوں سے تباہ و برباد کردیا آگے فرماتے ہیں کہ ان علوم کا دیکھنا یا سننا اسی شخص کو جائز ہے جو اہل ہو نا اہل کو ان کے پاس بھی نہ آنا چاہئے۔

نکتہا چوں تیغ پولادست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا

رہا یہ کہ ان حضرات کو ایسی چیستان(۱) بولنے ہی کی کیا ضرورت تھی جس سے معنی میں غیر مراد کا ابہام ہو(۲) ان کو چاہئے تھا کہ ایسی اصطلاحات اختیار ہی نہ کرتے جن سے کسی کے گمراہ ہونے کا احتمال ہو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ایک حکمت سے ایسا کیا وہ حکمت یہ ہے کہ ان حضرات کو نااہلوں سے اپنے علوم کا اخفاء مقصود تھا(۳) جیسے بعض لوگ ملامتی ہوتے ہیں جو اپنے اعمال کو لوگوں سے چھپاتے ہیں اور ظاہر میں رند لوگوں کی طرح رہتے ہیں تاکہ کوئی ان کو بزرگ نہ سمجھے اور معتقد نہ ہوجائے اور یہ بات کوئی انہی کے ساتھ مخصوص نہیں اہل دنیا بھی ایسا ہی کرتے ہیں چنانچہ بعض لوگ لکھ پتی کروڑ پتی ہوتے ہیں لاکھوں روپے ساتھ

(۱) ایسی پہیلیاں کہنے ہی کی کیا ضرورت تھی (۲) جس سے دوسرے معنی کا وہم ہوجائے (۳) اپنے علوم کو پوشیدہ رکھنا مقصود تھا۔

لیکر سفر کرتے ہیں مگر ظاہر میں میلے کچیلے رہتے ہیں تا کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے کہ ان کے پاس بہت مال ہے پھر چور اور ڈاکو پیچھے لگ جائیں گے اسی طرح بزرگوں میں جو ملامتی ہوتے ہیں وہ ڈاکوؤں سے بچنے کے لئے اپنے اعمال کو چھپاتے ہیں اور رندوں کی سی وضع بنائے رکھتے ہیں کیونکہ ہجوم عوام سے ان کے معمولات میں خلل پڑتا ہے اس لئے وہ عوام کو ڈاکو سمجھتے ہیں مگر مقتدا کو ایسا کرنا جائز نہیں تو ممکن ہے کہ وہ حضرات اپنے کو مقتدا نہ سمجھتے ہوں یا واقع میں مقتدا نہ ہوں پس ان پر اعتراض کا حق نہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں معالجہ نفس کے لئے کرتے ہیں اور فقہاء نے تو تداوی بالمحرم تک کو جائز کہا ہے (۱) جبکہ طبیب حاذق یہ کہہ دے کہ تمہارے لئے اسی میں شفا ہے اگر چہ وہ واقعی حرام کیوں نہ ہو اور یہ حضرات تو حرام واقعی کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ ایسے کام کرتے ہیں جو بظاہر حرام معلوم ہوں مگر واقع میں مباح (۲) ہوتے ہیں۔

حکایت حضرت بایزید m

چنانچہ حضرت بایزید m ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے راستہ میں پکار کر کہا ﴿ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ﴾ (۳) ''بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس میری عبادت کرو''

بعض مریدین برگشتہ ہو گئے اور پیر کو چھوڑ کر چل دیئے کہ یہ تو خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں آگے چلے تو راستہ میں ایک عورت ملی آپ نے اس کا بوسہ لے لیا کچھ مرید یہاں سے علیحدہ ہو گئے کہ شیخ تو حرام کاری کرتے ہیں نامحرم عورتوں کا بوسہ لیتے ہیں آگے چلے تو ایک حلوائی کی دکان ملی آپ نے بدون اجازت کے اس کی دکان سے حلوا کھانا شروع کر دیا کچھ مرید یہاں سے علیحدہ ہو گئے کہ پیر تو ڈاکہ

(۱) حرام چیز کو بطور دواء استعمال کرنے کو جائز کہا ہے (۲) جائز (۳) سورۂ طٰہٰ: ۱۴۔

بھی ڈالتے ہیں بس دو چار خاص مرید ساتھ رہ گئے جب خانقاہ میں واپس آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت آج آپ نے چند باتیں ایسی کی ہیں جن کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی فرمایا بتلاؤ میں نے کیا کیا کہا اول تو آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا کہا اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِی ''بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس میری عبادت کرو'' فرمایا میں اس وقت سورہ طہ پڑھ رہا تھا اس میں یہ آیت بھی ہے اس کو میں نے بلند آواز سے پڑھ دیا بتلاؤ اس میں کیا کفر ہو گیا کسی آیت کو جہر(۱) سے پڑھ دینا کفر ہے کہا حضرت یہ شبہ تو جاتا رہا اب دوسرا اشکال یہ ہے کہ راستہ میں آپ نے ایک عورت کا بوسہ لیا فرمایا وہ میری باندی تھی گھر کا کام کرنے کے لئے باہر پھر رہی تھی میں نے اپنی باندی کا بوسہ لیا تھا اس میں کونسی گناہ کی بات ہوئی کہا حضرت اب تیسرا اشکال یہ ہے کہ آپ نے بدون اجازت کے ایک حلوائی کا حلوا کھالیا فرمایا وہ میرا مرید تھا جب اس نے مجھے دور سے دیکھا تو اس کو خود ہی خیال ہوا تھا کہ پیر کو دکان پر بٹھلا کر کچھ کھلاؤں گا میں نے خود ہی اس کی خواہش پوری کر دی اور ایسے مخلص دوست کا مال بدون اجازت کے کھالینا جائز ہے جو بدون پوچھے کھانے سے زیادہ خوش ہو خود نص قرآنی میں ہے اَوْ صَدِیْقِکُمْ (یا تمہارا دوست) دیکھئے مہمان کو میزبان سے فرمائش کرنا کہ آج یہ پکواؤ اور کل یہ پکوانا فی نفسہ خلاف تہذیب و ادب ہے لیکن اگر کوئی میزبان آپ کی فرمائش ہی سے خوش ہوتا ہو وہاں فرمائش کرنا جائز ہے۔

حکایت حضرت امام شافعی m

امام شافعی m ایک دفعہ کسی رئیس کے یہاں مہمان ہوئے وہ آپ کا معتقد اور محبّ تھا اس نے بہت محبت سے میزبانی کی روزانہ کھانوں کی فہرست لکھ کر غلام کو دیا کرتا تھا کہ آج امام صاحب کے لئے فلاں فلاں کھانے پکاؤ ایک دن غلام

(۱) کسی آیت کو بلند آواز سے پڑھنا کیا کفر ہے۔

فہرست لے کر امام صاحب کے سامنے سے گزرا تو آپ نے فہرست لے کر اس میں ایک کھانا اپنی طرف سے بڑھادیا میزبان نے دوسرے وقت جو فہرست میں ایک کھانے کا نام امام کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا تو اتنی خوشی ہوئی کہ فوراً غلام کو آزاد کردیا کہ تیرے ذریعہ سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ امام نے خود فرمائش کی جا میں نے تجھے آزاد کیا بتلایئے ایسے مخلص جان نثار کی کوئی چیز اگر بدون اجازت کے کھالی جاوے تو اس میں کونسی قباحت ہے۔ خصوصاً اگر وہ مرید بھی ہو کیونکہ مرید سب سے زیادہ جان نثار ہوا کرتا ہے غرض حضرت بایزید نے جو کچھ کیا تھا شرعاً سب جائز تھا مگر ظاہر میں یہ حرکتیں ناجائز معلوم ہوتی تھی۔

عوام کو اہل اللہ کی گستاخی اور بے ادبی جائز نہیں

جب تداوی اور معالجہ کے لئے بعض احوال میں حرام واقعی کو بھی فقہاء نے مباح کہا ہے (۱) تو مباح واقعی جس کی محض صورت ہی منکر ہے (۲) کیونکر مباح نہ ہوگا پس عوام کو ان حضرات کی شان میں گستاخی نہ کرنا چاہئے کیونکہ حدیث قدسی میں ہے: من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب (الدرالمنثور ٤:٢٥٧، الترغیب والترهیب ١، ٦٨ بلفظ آخر) جو میرے ولی کو ایذا دے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور جس کو خدا اعلان جنگ دے اس کا کہاں ٹھکانہ رہ سکتا ہے وہ جس سے جنگ کریں گے اس کا ایمان تک سلب کرلیں گے البتہ مقتدا انتظام دین کے واسطے ان کی شان میں کچھ کہے تو اس کو اجازت ہے کیونکہ حدود کی رعایت سے کہے گا چنانچہ ایک عارف شیخ ابن عربی کو زندگی بھر زندیق کہتے رہے

(۱) بطور دواء علاج کے حقیقی حرام کو بھی فقہاء نے جب جائز کہا (۲) ایسی جائز چیز جو صورۃً صرف ناپسندیدہ ہو وہ کیسے جائز نہ ہوگی۔

جب شیخ کے وصال کی خبر آئی تو رونے لگے اور فرمایا: الیوم صدیقی کہ آج صدیق کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان کی زندگی میں تو آپ انہیں زندیق کہتے رہے اور ہم کو ان کی فیوض سے محروم رکھا اور آج صدیق فرمارہے ہیں فرمایا کہ میں نے ان کو اس لئے زندیق کہا تھا تاکہ تم ان کے پاس جاکر زندیق نہ ہوجاؤ کیونکہ ان کے علوم تمہاری سمجھ سے بالاتر تھے تم ان کی باتوں کو سن کر ایمان سے ہاتھ دھو لیتے مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال　　تو نۂ کامل مخور میباش لال
در حق اومدح در حق تو ذم　　در حق او شہد و درحق توسم

''نکات ودقائق کامل کے لئے ہیں اگر تم کامل نہیں تو اس طرف توجہ نہ کرو یہ اس کے حق میں تعریف اور تیرے حق میں مذمت ہے اس کے حق میں شہد اور تیرے حق میں زہر ہے''

دیکھئے قوی غذا قوی المعدہ (۱) کے لئے تو موجب تقویت وزیادت صحت ہے اور ضعیف کے لئے بعض دفعہ زہر ہوجاتی ہے اس لئے ان بزرگ نے انتظاماً لوگوں کو شیخ ابن عربی کی زیارت سے روکا کیونکہ ہر شخص ان علوم کا اہل نہ تھا مگر آج کل نہ معلوم وہ لوگ اس دریائے ناپیدا کنار میں کیوں پڑتے ہیں۔ جن پر نہ حال ہے نہ علم ہے کیونکہ دریا میں وہ شخص آئے جس کے پاس یا تو کشتی ہو (یعنی علم) یا اسے تیرنا آتا ہو (یعنی صاحب حال ہو) اور جو دونوں سے کورا ہو اسے کنارہ ہی پر رہنا چاہئے ورنہ ہلاک ہوجائے گا۔ اسی طرح جو لوگ بدون حال یا علم کے علوم غامضہ (۲) کا اظہار کرتے ہیں اور تصوف کے مسائل اور اہل حال کے اقوال

(۱) جسکا معدہ مضبوط ہو (۲) گہرے علوم۔

کتابوں میں دیکھ کر نقل کرتے ہیں وہ اپنا اور دوسروں کا ایمان ضائع کرتے ہیں بزرگوں نے یہ علوم اہل علم کے واسطے لکھے ہیں نااہلوں میں ان کی اشاعت جائز نہیں اسی لئے انہوں نے اپنی خاص خاص اصطلاحیں مقرر کی ہیں تاکہ نااہل سے یہ علوم مخفی رہیں پس بزرگوں پر تلبیس کا شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جو اہل ہیں ان پر تلبیس ہوتی ہی نہیں اور جن پر تلبیس ہوتی ہے ان کو اپنے کلام کے دیکھنے کی وہ اجازت ہی نہیں دیتے یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ بعض دفعہ خارجی آثار سے تشابہ ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ مستی جنون اور مستی عقل میں التباس ہو جاتا ہے سو یاد رکھو ان پر قبول کا مدار نہیں مستی اگر محمود بھی ہو تو وہ ثمرہ مقصود نہیں ہے۔(۱)

ذکر کا لطف

مگر آج کل لوگوں نے اسی کو مقصود بنالیا ہے چنانچہ ذکر میں مستی اور لذت کے طالب رہتے ہیں بعض لوگوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا میں نے کہا مزا تو مذی(۲) میں ہے یا داغ اور ذوق کی غزلوں میں ہے حکیم محمود خاں کے نسخہ میں کیا مزہ اگر کوئی حکیم کا نسخہ پڑھ کر اس سے وہ مزا لینا چاہے جو غزل کے گانے میں آتا ہے تو یہ حماقت ہے نسخہ کے پڑھنے میں کیا مزا اور اس کے استعمال کرنے میں بھی مزہ آنا ضروری نہیں ممکن ہے کہ دوا تلخ ہو لیکن کچھ دنوں استعمال کے بعد مزہ آئیگا اور دیرپا مزہ ہوگا۔ غزلوں کے سننے کا مزا تو تھوڑی دیر کا ہے اور محمود خان کے نسخہ سے وہ چیز پیدا ہوگی جو تمام مزوں کی جڑ ہے یعنی صحت۔ اسی طرح ذکر کرتے ہوئے گو لذت نہ آئے مگر کچھ عرصہ تک اس ذکر بے لذت پر مداومت(۳) کرنے سے وہ دولت حاصل ہوگی یعنی معیت حق کا انکشاف(۴) اور قلب کی

(۱) مدہوشی اگر پسندیدہ بھی ہو تو وہ کوئی اچھا نتیجہ نہیں ہے (۲) بیوی کے ساتھ اٹھ کھیلیوں میں جو مادہ جسم سے بلذت خارج ہوجاتا (۳) بے لذت ذکر کو مسلسل کرنے سے (۴) اللہ کی معیت آشکار ہوگی۔

صحت جس کے سامنے سب لذتیں گرد ہو جائیں گی مگر بعض لوگ مقصود کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کئے ہوئے ہیں کہ کسی کی غزل سن کر رونے لگے یا کسی قاری کا قرآن سن کر مزہ آ گیا۔

حرارت غریزیہ کی مستی

ایک دفعہ ہم سفر میں گئے اور میزبان کے گھر کے پاس ایک مسجد تھی وہاں سب کا ٹھہرنا قرار پایا تھوڑی دیر میں کچھ گانے کی آواز آئی معلوم ہوا کوئی بازاری عورت ہے تو ہم نے وہاں سے بستر اٹھوالیا اور ایک دوسرے مکان میں چلے گئے مگر ایک پیر صاحب ہمارے ساتھ تھے وہ وہیں سوئے اور صبح کو کہنے لگے کہ رات بھر آواز تو اس کی کان میں تھی (یعنی گانے والی کی) اور دل خدا کی طرف تھا۔ ان لوگوں کا دل خدا کی طرف بھی اگر مائل ہوتا ہے تو گانے ہی کی آواز سے ہوتا ہے نماز میں قرآن پڑھنا خدا کی طرف ان کے دل کو متوجہ نہیں کرتا واللہ ان لوگوں کو لذت نماز کی کچھ بھی خبر نہیں جس کو نماز کی لذت کا ادراک ہے اس کا دل قرآن کی تلاوت سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور گانے بجانے کی آواز سے اس کو وحشت ہوتی ہے اور ان پیر صاحب کو جو گانے کی آواز سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہوئی یہ محض حرارت غریزیہ کی مستی تھی روحانی لذت نہ تھی لوگوں کو اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے بہت لوگ حرارت غریزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھ لیتے ہیں ان کو بڑھاپے میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس وقت حرارت غریزیہ کم ہو جاتی ہے تو جس کو جوانی میں روحانی لذت حاصل ہو چکی ہے بڑھاپے میں اس کی لذت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے اور جس نے حرارت غریزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھا تھا وہ اب اپنے کو لذت طاعات سے کورا پاتا ہے تو نہایت پریشان ہوتا ہے۔

ایک بزرگ بڑھاپے میں افسوس کرتے اور روتے تھے کہ میں اب تک غلطی میں تھا میں جوانی کی حالت میں نماز کے اندر حلاوت پاکر یہ سمجھتا تھا کہ مجھ کو نماز میں لذت آتی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ وہ نماز کی لذت نہ تھی بلکہ حرارت غریزیہ کی لذت تھی ان دونوں لذتوں کی ایسی مثال جیسے قند(۱) اور گڑ گڑ بہت میٹھا ہوتا ہے مگر اس میں لطافت نہیں کثافت ہے اور قند میں مٹھاس کم ہوتا ہے مگر لطیف ہے(۲) اسی طرح حرارت غریزیہ کی لذت میں مستی اور جوش تو بہت ہوتا ہے مگر اس میں نفس کی آمیزش ہے اس لئے کثیف ہے۔(۳)

روحانی لذت

اور روحانی لذت میں جوش وخروش نہیں ہوتا بلکہ لطافت ہوتی ہے اس کی ایک اور مثال سمجھ میں آئی وہ زیادہ واضح ہے وہ یہ کہ بیوی کے ساتھ جوان کو بھی محبت ہوتی ہے۔ اور بوڑھے کو بھی۔ جوان کی محبت میں جوش وخروش زیادہ ہوتا ہے اور بوڑھے کی محبت میں جوش نہیں ہوتا مگر یہ بتلایئے کہ ان دونوں میں اصلی محبت کونسی ہے درحقیت اصلی محبت بوڑھے کی محبت ہے کیونکہ جوان کی محبت غرض کی ہے اور یہ بے غرضی کی محبت ہے بوڑھے کو جو اپنی بیوی سے محبت ہوتی ہے وہ محض انس کا درجہ ہے جس میں نفس کی آمیزش(۴) نہیں مگر بعض دفعہ یہ انس اتنا قوی ہوتا ہے(۵) کہ بوڑھے کو بدوں بیوی کے چین نہیں آتا ایک میانجی کھڑ بوتھے ان کا قصہ ہے کہ وہ بوڑھے ہوکر بھی اپنی بیوی ہی کے پاس سویا کرتے تھے بدوں بیوی

(۱) مصری اور گڑ (۲) مصری (چینی) میں مٹھاس کم ہوتا ہے لیکن صفائی ستھرائی زیادہ ہے (۳) اسی طرح انسان کے جسم میں جو ایک حرارت غریزیہ ہے اس میں لذت ومستی وجوش تو بہت ہوتا ہے لیکن نفس کے اس کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے اس میں گدلہ پن ہے وہ عمدگی اور صفائی نہیں ہے جو روحانی لذت میں ہے (۴) جس میں نفسانی خواہش نہیں ہوتی (۵) بعض دفعہ یہ محبت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ بوڑھے آدمی کو بغیر بیوی کے چین نہیں آتا۔

کے ان کو نیند ہی نہ آتی تھی آخر یہ کیا تھا وہی انس تھا اب سمجھئے کہ حرارت غریزیہ کی مستی تو ایسی ہے جیسے جوان آدمی کو بیوی سے محبت ہوتی ہے اور روحانی لذت ایسی ہے کہ اس میں جوش وخروش تو نہیں ہوتا مگر انس اور تعلق جوانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

پرانی جورو(۶) اماں ہوجاتی ہے

مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے جب کوئی ذاکر شکایت کرتا کہ ذکر میں لذت نہیں آتی تو فرمایا کرتے تھے کہ تم نے سنا نہیں پرانی جورو اماں ہوجاتی ہے۔ واقعی بوڑھوں کو تو بیوی سے ایسی ہی محبت ہوتی ہے جیسے ماں بہن سے ہوا کرتی ہے۔ ایک ولائتی نواب میرٹھ کی طرف تھے بہت بوڑھے ہوگئے تھے، بڑھاپے میں ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تو کلکٹر تعزیت کے لئے آیا ور کہا نواب صاحب ہم کو آپ کی بیوی کے انتقال کا بہت افسوس ہے نواب صاحب رونے لگے اور کہا کلکٹر صاحب وہ ہمارا بیوی نہ تھا بلکہ اماں تھا ہم کو روٹی کھلاتا تھا پنکھا جھلتا تھا پیر دباتا تھا بوڑھوں کو تو بیوی سے ان خدمات ہی کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور تو کوئی بات رہتی ہی نہیں اور ماں سے بھی خدمت وتربیت ہی کی وجہ سے محبت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ پرانی جورو اماں ہوجاتی ہے۔ یعنی پھر اس سے خدمت کے علاقہ کا انس رہ جاتا ہے جوانی کے جوش کا تعلق نہیں رہتا پس لذت ومستی کا طالب ہونا غلطی ہے یہ تو محض حرارت غریزیہ کا اثر ہوتا ہے جو مقصود نہیں مقصود اعمال کے ساتھ انس ہے چاہے مستی ہو یا نہ ہو اور یہ انس اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ اعمال کی پابندی ہر حال میں کی جائے چاہے مزا آئے یا نہ آئے دل لگے یا نہ لگے اس میں

(۱) بیوی۔

آج کل بہت کوتاہی ہورہی ہے لوگ اعمال کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ لذت کو مطلوب سمجھتے ہیں اس لئے اعمال کی ضرورت کا بتلانا ضروری ہے۔

طیبات کی دو تفسیریں

سواسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾(۱) ''اے ایمان والو جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم اس کے ساتھ خاص غلامی کا تعلق رکھتے ہو''

اس میں طیبات کی بھی دو تفسیریں اور شکر کی بھی۔ طیبات کی ایک تفسیر تو حلال ہے مطلب یہ ہے کہ حلال کھاؤ حرام نہ کھاؤ اس صورت میں امر وجوب کے لئے ہوگا یعنی اگر کھاؤ تو اس میں حلال کی رعایت واجب ہے اور امر کی قید میں نے اس لئے بڑھادی کہ کھانا فی نفسہ واجب نہیں لغیرہ واجب(۲) ہے البتہ اس میں حلال کی رعایت کرنا فی نفسہ واجب ہے (۳) اور ایک تفسیر جس کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں یہ ہے کلو من مستلذات مارزقناکم کی طیبات سے مراد لذیذ اور پاکیزہ چیزیں ہیں یعنی حلال اشیاء میں سے لذیذ اور عمدہ عمدہ چیزیں کھاؤ اور یہی تفسیر راجح ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ﴾(۴) ''اے لوگو جو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو''۔

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۷۲ (۲) اپنی ذات میں واجب نہیں بقائے حیات کی وجہ سے واجب ہے (۳) حلال چیز کھانا یہ اپنی ذات میں واجب ہے (۴) سورۃ البقرۃ:۱۶۸

اس میں اول تو حلال کے ساتھ طیبا لایا گیا ہے جس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ طیب سے حلت کے علاوہ کوئی صفت مراد ہے کیونکہ تاسیس تاکید سے اولیٰ ہے(۱) دوسرے اس آیت میں کفار عرب کے طریقہ پر انکار کیا گیا ہے اب دیکھنا چاہئے کہ وہ طریقہ کیا تھا سو آیت سے ظاہر ہے کہ کافر عرب کا وہ طریقہ حرام کو حلال کرنے کا نہ تھا بلکہ حلال کو حرام کرنے کا تھا۔ حق تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں کہ حلال کو حرام نہ کرو بلکہ حلال کو حلال سمجھو اس میں ترغیب دینے کے لئے طیب کی تفسیر مستلذ ہی(۲) کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کہ شیطان تمہارا راہ مارتا ہے کہ تم کو لذیذ چیزوں سے محروم کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کا اتباع نہ کرو وہ تمہارا دشمن ہے اور ان لذیذ پاکیزہ اشیاء کو کھاؤ پیو اس میں خدا تعالیٰ کی کس قدر رحمت ٹپکتی ہے کہ تحریم حلال سے ناخوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میرے بندے لذیذ چیزیں کھائیں ورنہ کوئی لذیذ چیز نہ کھاوے تو کسی کا کیا حرج ہے مگر وہ نہیں چاہتے کہ بندے ان لذیذ نعمتوں سے محروم رہیں اس لئے صیغہ (۳) امر کے ساتھ ترغیب دے رہے ہیں اور دشمن کی عداوت (۴) پر متنبہ فرما رہے ہیں۔

ہر آیت میں رحمت خداوندی

لوگوں نے محض لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ''اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو'' کو یاد کرلیا ہے کہ یہی آیت رحمت کی ہے مگر بخدا مجھ کو تو ہر آیت میں رحمت نظر آتی ہے چنانچہ سورۂ رحمٰن میں حق تعالیٰ نے نعمتوں کے ذکر کے بعد تو فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

---

(۱) یہ کہنا کہ یہ جملہ بطور تاکید ذکر کیا گیا ہے اس سے بہتر ہے کہ اس جملہ سے دوسرا مسئلہ مستنبط کیا جائے (۲) طیب کی تفسیر لذیذ کھانے کے ساتھ کرنا ہی مناسب ہے (۳) صیغہ امر سے جو حکم دیا جائے وہ وجوب کے لئے ہوتا ہے (۴) دشمنی۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ''پس اے جن وانس تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے''
فرمایا ہی ہے دوزخ اور ذکر عذاب کے بعد بھی فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ''پس
اے جن وانس تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے'' فرمایا ہے بعض لوگوں کو
ذکر عذاب کے بعد اس کا موقع سمجھ میں نہیں آتا مگر حقیقت میں یہ وہاں بھی موقع پر
ہے اور ذکر عذاب میں بھی ایک رحمت ہے وہ یہ کہ ہم کو ایک مضر چیز کی اطلاع
دیدی تا کہ اس سے بچنے کی کوشش کریں اگر طبیب کسی شئے کے متعلق یہ کہہ دے کہ
دیکھو اسے نہ کھانا یہ زہر ہے تو اس کو شفقت کہیں گے یا نہیں اسی طرح یہاں سمجھو تو
مجھے تو آیات قہر میں بھی رحمت نظر آتی ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آیت
مداینہ[1] سے زیادہ کوئی بھی آیت رحمت کی نہیں کیونکہ اس میں حق تعالیٰ نے
حفاظت مال کے طریقے بتلائے ہیں کہ جب کسی کو قرض دیا کرو تو لکھ لیا کرو اور اس
پر دو آدمیوں کو گواہ کر لیا کرو اس سے معلوم ہوا حق تعالیٰ کو ہمارے پیسہ کا نقصان بھی
گوارا نہیں تو جان کا نقصان تو کب گوارا ہوگا پھر وہ جنت سے محروم کر کے دوزخ
میں ہم کو کب ڈالنا چاہیں گے جب تک کہ تم خود ہی اس میں نہ گھسو۔

حق تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے مشفقانہ تعلق

چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ
شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ﴾[2] ''خدا تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا لیں گے اگر تم شکر کرو
اور ایمان لے آؤ'' سبحان اللہ! کیا شفقت ہے یوں نہیں فرمایا لا یعذبکم اللّٰہ بلکہ
فرماتے ہیں مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ کہ خدا تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا لیں گے

(۱) جس آیت میں قرض دینے کا ذکر ہے۔ یا ایھاالذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمًی الخ۔ سورۃ
بقرہ: ۲۸۲ (۲) سورۃ النساء: ۱۴۷۔

اگر تم ایمان لے آؤ اور عمل کرو۔ اسی شفقت کا ظہور اس آیت میں ہے کہ حق تعالیٰ ہم کو ترغیب دیتے ہیں لذیذ اور مرغوب غذاؤں کی کہ لذیذ چیزیں کھاؤ عمدہ عمدہ کھانے کھالو پھر کچھ عمل کرلو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو تم سے محض حاکمانہ ہی تعلق نہیں ہے بلکہ ماں باپ جیسا تعلق ہے حاکمانہ تعلق تو ایسا ہوتا ہے کہ کلکٹر تم سے کہہ دیتا ہے کہ سالانہ مال گزاری ادا کردو اور جب تم مال گذاری ادا کرتے ہو تو اس کے صلہ میں تمہاری کوئی دعوت ضیافت نہیں ہوتی اور ماں باپ کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو پڑھانا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ روپیہ لے لو اور سبق پڑھ لو یا مٹھائی کھالو اور سبق سنادو یہی برتاؤ حق تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہے اب اگر کوئی کلکٹر جب تم مال گزاری دینے جاؤ تم کو دودھ جلیبی کھلاوے کہ پہلے یہ کھالو پھر مال گزاری دینا تو اس کی مدح وثناء سے تمہارا منہ خشک ہوجائے گا مگر عجیب حالت ہے کہ ہم سب کی قدر کرتے ہیں اور بیقدری کرتے ہیں تو بس نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی۔ بھلا باپ ماں تو محبت وشفقت میں کسی درجہ میں مجبور بھی ہوتے ہیں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت اختیاری ہے

اور حق تعالیٰ کی محبت تو تمہارے ساتھ محض اختیاری ہے اضطراری نہیں (۱) پھر حیرت ہے کہ ہم کو اس کی قدر نہیں یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حق تعالیٰ کے تعلق کو عشق سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے طرز سے بیان کرتے ہیں جیسے کوئی عاشق معشوق کی محبت میں بیقرار و بیتاب ہوا کرتا ہے۔ یہ سخت جہالت ہے کیونکہ حق تعالیٰ اضطرار سے پاک ہیں ان کو کسی کے ساتھ عشق کا تعلق نہیں جس سے بھی ان کو محبت ہے محض اختیاری ہے

(۱) مجبوری کی نہیں ہے۔

اسی طرح بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی مدح ایسی کرتے ہیں جس سے آپ محض ایک معشوق معلوم ہوتے ہیں آپ کی شان جاہ وجلال اور نبوت ورسالت کی عظمت اس سے بالکل ظاہر نہیں ہوتی یہ بہت بے ادبی ہے بھلا اگر کوئی شخص اپنے باپ کا خدوخال کھینچ دے اور اسے محض ایک معشوق بنادے تو کیا باپ اس سے خوش ہوگا ہرگز نہیں ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ ایک بادشاہ کے بہت شوکت وجاہ وجلال وشمشیر زنی وعقل ودانائی وغیرہ کا تذکرہ کرکے اخیر میں اتنا اور بھی کہہ دے کہ وہ حسین بھی ایسا ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی سیدنا رسول اللہ ﷺ حسن و جمال میں بھی بے بینظیر تھے حق تعالیٰ نے آپ کو سیرت کے ساتھ صورت بھی ایسی عطا فرمائی تھی کہ زمانہ کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

لواحی زلیخا لو راین جبینہ لآثرن بالقطع القلوب علی الید

''زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال کی تاب نہ لاکر اپنے ہاتھ کاٹ دیئے تھے وہ اگر سرکار دو عالم ﷺ کے حسن وجمال کا نظارہ کرتیں تو اپنے دل کاٹ لیتیں''

مگر آپ کی تعریف میں اسی پر اکتفا کرلینا غلطی ہے چاہئے کہ اول آپ کے اصلی کمالات ظاہر کئے جائیں پھر اس کے ساتھ حسن و جمال کا بھی ذکر کردیا جائے بہرحال حق تعالیٰ کی محبت اختیاری ہے اضطراری نہیں (۱) اور اختیاری محبت زیادہ قابل قدر ہے گو شرافت کا مقتضی تو یہ ہے کہ اگر کوئی اضطراراً بھی یا اپنی ضرورت سے یا بے خبری میں کسی کو نفع پہنچادے اس کا بھی احسان مانا جائے چنانچہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کا قرآن سن کر ان کی مدح فرمائی کہ اس نے مجھ کو ایک

(۱) اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ سے محبت اختیار سے ہے مجبوری سے نہیں۔

آیت یاد دلادی جو میں بھول گیا تھا حالانکہ ان صحابی نے اس نیت سے قراءت نہ کی تھی بلکہ وہ ویسے ہی نماز میں قراءت کررہے تھے مگر حضور ﷺ نے اس بے ارادہ احسان کا بھی شکریہ ادا کیا اور حق تعالیٰ کی محبت تو اختیاری ہے وہ تم کو بے خبری میں نفع نہیں پہنچاتے بلکہ ارادہ سے نفع پہنچاتے ہیں پھر اس کے معاوضہ میں خدا تعالیٰ کو اپنی کسی غرض کا پورا کرنا مقصود نہیں کیونکہ وہ اغراض وحاجات سے پاک ہیں اس کا تو ضروری احسان ماننا چاہئے۔

غذائے ہضم کا چورن

اب ان کی اس رحمت ومحبت کو دیکھو جس کو اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! لذیذ غذائیں کھاؤ اور خدا کا شکر کرو اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ ناشکری نہ کرو خدا کا احسان مانو دوسری تفسیر آگے آتی ہے شاید پہلی تفسیر پر کوئی بھدی طبیعت والا اس پر یہ کہے کہ لو یہ تو پھر وہی غرض کی بات آگئی کہ شکر کرو تو میں اس سے کہوں گا اے ظالم! اگر تو ایسا ہی بھدا ہے تو یہی سمجھ لے کہ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ (اور اللہ کا شکر کرو) میں اسی غذا کے ہضم کے واسطے چورن بتلایا گیا ہے تاکہ تو پھر بھی غذا کھا سکے کیونکہ شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں جس طرح چورن سے دوسرے وقت زیادہ کھا سکے گا اور ناشکری سے سلب (۱) ہوجاتی ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ (۲) ''اگر تم شکر کروگے تو ہم (نعمتوں کو) اور زیادہ کریں گے اور اگر ناشکری کروگے تو (جان لو) میرا عذاب سخت ہے''

نیز شکر سے نعمت موجب راحت آخرت ہوجاتی ہے اور ناشکری سے

(۱) ناشکری سے نعمت چھین لی جاتی ہے (۲) سورۂ ابراہیم: ۷۔

وبال جان ہوجاتی ہے تو اس میں بھی تمہارا ہی نفع ہے۔ پھر اس شکر کے جو ثمرات آخرت میں ملیں گے اگر وہ پیش نظر ہوں تو ہرگز اس سے گھبراہٹ نہ ہو بلکہ خوشی کے ساتھ اس کو برداشت کیا جائے گا دیکھو اگر ماں باپ اپنے بیٹے کا نکاح ایک حسین لڑکی سے کردیں تو اگر وہ عنین (۱) ہے تو بیوی کے خرچ سے گھبرائے گا اور اگر مرد قوی ہے تو والدین کو دعا دے گا اور خرچ سے نہ گھبرائے گا مگر یہاں چونکہ اس نے محبوب کو دیکھ لیا ہے اس لئے سب مشقت آسان ہوگئی اور تم نے حق تعالیٰ کو دیکھا نہیں اس لئے وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ سن کر یہ گھبراہٹ ہے اگر حق تعالیٰ کو دیکھ لیتے تو ہرگز گھبراہٹ نہ ہوتی۔

دیدار خداوندی

مگر ایک طرح سے یہاں بھی دیکھنے والوں نے دیکھ لیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے دیدار کی دو صورتیں ہیں ایک بلاواسطہ ایک بواسطہ سو دنیا میں گو بلا واسطہ دیدار ممکن نہیں مگر بواسطہ ممکن ہے چنانچہ جن لوگوں کو بواسطہ دیدار دنیا میں ہوگیا ہے تو وہ بھی شکر سے نہیں گھبراتے بلکہ ناشکری سے گھبراتے ہیں۔ اسی دیدار ناقص نے ان کو بے چین و بے قرار بنادیا ہے کہ بدون طاعات کے ان کو چین نہیں آتا اگر بلاحجاب دیکھ لیتے تو نہ معلوم کیا ہوتا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنون کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

''مٹی میں ملی ہوئی شراب کا ایک گھونٹ جب دیوانہ کردیتا ہے اور اگر وہ صاف ہو تو میں نہیں جانتا کہ کیا کرے''

اور اس بواسطہ دیدار کی صورت یہ ہے کہ مخلوقات و مصنوعات میں حق

(۱) نامرد ہے۔

تعالیٰ کی صفات قدرت کا مشاہدہ کرو کیونکہ مصنوع سے بھی صانع کا دیدار ہوجاتا ہے۔

حکایت زیب النساء مخفی

زیب النساء جس کا تخلص مخفی ہے اس کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بے ساختہ ایک بے جوڑ مصرع نکل گیا تھا۔ ''در ابلق کسے کم دیدہ موجود'' اس نے شعراء سے کہا کہ اس پر دوسرا مصرع لگاؤ تمام شعراء عاجز ہوگئے تو ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا گیا کہ شعراء ہندوستان سے اس پر مصرع لگوایا جائے مخفی بھی شاعرہ تھی اسے بھی اطلاع ہوئی وہ فکر ہی میں تھی کہ ایک دن صبح کو آنکھ میں سرمہ ڈالا وہ کچھ لگا تو ایک آنسو گرا فوراً اس کا ذہن مصرع کی طرف منتقل ہوگیا اور کہنے لگی۔

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتان سرمہ آلود

''ابلق کا موتی موجودہ بہت کم لوگوں نے دیکھا ہوگا سوائے محبوب کی سرمہ آلود آنکھوں نے''

کیونکہ سرمہ سے مل کر جو آنسو گرے گا اس میں سفیدی بھی ہوگی اور سیاہی بھی اور اشک بتاں (۱) کہ موتی سے تشبیہ دی ہی جاتی ہے اس لئے اشک سرمہ آلود در ابلق کا مصداق (۲) ہوگیا۔ مخفی نے ایران کے بادشاہ کو اطلاع کردی تو وہاں سے مخفی کے لئے انعام اور خلعت آیا اور ساتھ میں یہ بھی درخواست تھی کہ شاعر کو یہاں بھیج دیا جائے بادشاہ نے مخفی سے کہا کہ تیری شاعری نے یہاں تک نوبت پہنچادی ہے

(۱) محبوب کی آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسو کو (۲) پس ایسا آنسو جس میں سرمہ ملا ہوا ہو در ابلق یعنی چتکبرے موتی کی مانند ہوگا۔

کہ اب شاہ ایران کے یہاں سے تیری طلبی آئی ہے بتلا اب کیا جواب دوں۔ اس نے کہا کہ آپ میری طرف سے میرا ایک شعر جواب میں لکھ دیجئے۔

درسخن مخفی منم چون بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد درسخن بیند مرا

''میں اپنے اشعار میں اس طرح پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو پھول کے پتوں میں چھپی ہوتی ہے جو مجھ سے ملاقات کرنا چاہے وہ مجھے اپنے اشعار میں دیکھ لے''

مخفی نے درسخن بیند مرا کہا ہے معلوم ہوا کہ مصنوع سے بھی صانع(۱) کا دیدار ہوجاتا ہے گو بواسطہ ہی سہی تو جس طرح ایک مخلوق کا دیدار اس کی مصنوع سے ہوسکتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کا دیدار ان کی مصنوعات(۲) میں ہوسکتا ہے اسی لئے اہل اللہ ہر چیز میں صفات حق کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کو نمونہ دیدار آخرت کا سمجھ کر اس سے لذت لیتے ہیں اسی طرح طیبات دنیا میں طیبات آخرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی اصل پر صاحب ہدایہ نے ریشم چار انگشت مردوں کے لئے جائز ہونے کی یہ علت بیان کی ہے لیکون انموذ جالحریر الجنة تاکہ حریر جنت کا نمونہ ان کے سامنے رہے۔

جنت میں دیدار خداوندی

پس یہ دیدار بواسطہ بھی جو کہ نمونہ ہے دیدار بلاواسطہ کا کشف کا سہل کردینے والا ہے پھر قیامت اور جنت میں بے حجابانہ دیدار بھی ہوجاوے گا اس

(۱) معلوم ہوا کہ بنی ہوئی چیز دیکھ کر بھی بنانے والے کا دیدار ہوجاتا ہے (۲) اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر اللہ کا دیدار بھی ہوسکتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ☆ تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے۔

وقت وہ کہیں گے۔

بے حجابانہ درآ ازدر کا شانہ ما کہ کسے نیست بجز درتو در خانہ ما

''آپ بے حجابانہ ہمارے کا شانہ میں چلے آیئے کیونکہ آپ کے سوا ہمارے کاشانہ میں اور کوئی نہیں ہے''

حدیث میں ہے سترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر لاتضامّون فیھا (مسند ابوعوانۃ ا،۳۷۶)''تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو''اور حدیث میں ہے لا یبقی علی وجھه حجاب الا رداء الکبریا ،او کما قال یعنی اس وقت بجز رداء کبریا(۱) کے اور کوئی حجاب نہ ہوگا اس کی شرح میں علماء نے اختلاف کیا ہے مگر صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ حجاب کبریاء امتناع ادراک کنہ ہے(۲) مگر رویت ادراک کنہ پر موقوف نہیں(۳) بدون اس کے بھی رویت ہوسکتی ہے غرض یہ بھی ثابت ہوگیا کہ شکر کا حکم ان کی غرض نہیں ہماری غرض ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اہل مشاہدہ کو وہ سہل بھی ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نعمائے دنیا نعمائے آخرت کا نمونہ ہیں(۴) اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب یہ دنیوی نعمتیں محل مشاہدہ حق ہیں تو اخروی نعمتیں کیونکر محل مشاہدہ نہ ہوں گی اور اسی لئے جن حضرات میں اتباع سنت غالب ہے وہ جنت سے استغناء ظاہر نہیں کرتے۔

---

(۱) کبریائی کی چادر اور حجاب کے (۲) اس کبریائی چادر کی بنا پر اللہ کی ذات کا ادراک نہیں کرسکے گا (۳) لیکن اللہ کو دیکھنا اس کی ذات کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی بنا پر ممنوع نہیں بغیر اس کے بھی دیدار ہوسکتا ہے (۴) دنیوی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کا نمونہ ہیں۔

جمال خداوندی

کیونکہ وہ بھی ایک آئینہ جمال الٰہی ہے۔

عاشقاں جنت برائے دوست می دارند دوست

''اللہ سے محبت رکھنے والے جنت کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ یہ مقام اللہ کو محبوب ہے''

ہاں اہل شکر نے جو اس سے استغناء ظاہر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض دیدار بلاواسطہ کے طالب ہیں اس لئے عشاق مجاذیب کُلُوْا وَاشْرَبُوْا میں بھی الجھیں گے کہ اس کی کیا ضرورت ہے مگر عارف جامع ان کی بھی قدر کرتا ہے کیونکہ وہ ان کو مراۃ(۱) سمجھتا ہے اور ان کو کھانے پینے میں بھی تجلیات الٰہیہ کا انکشاف ہوتا ہے پس یہ مذاق اگر آپ کو حاصل ہوجائے تو پھر آپ بھی مشقت طاعت وشکر سے نہ گھبرائیں گے کیونکہ یہ مشقتیں معین ہیں مشاہدہ کی جیسا قوی مرد بیوی کو دیکھ کر خوشی خوشی اس کے سارے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ اس وقت تک میں نے اشْكُرُوْا لِلّٰه کی ایک تفسیر بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شکر یہاں کفران کا مقابل ہے اب دوسری تفسیر جو راجح ہے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ یہاں شکر سے عمل مراد ہے جو بے عملی کا مقابل ہے۔

شکر کا طریقہ شرعاً عمل ہے

اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾(۲) ''اے رسولو پاکیزہ چیز کھالو اور نیک اعمال کرو'' اور ایک

(۱) آئینہ (۲) سورۃ المؤمنون:۵۱۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو امر ہوا ہے پھر آپ نے یہ آیت اور وہ آیت پڑھی جس کی میں نے اول تلاوت کی ہے یعنی ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾(۱) ''اے ایمان والو پاک چیزیں جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو'' چاہئیے کہ جس آیت میں مومنین کو خطاب ہے اس میں بھی وہی احکام ہوں جو انبیاء کے لئے صادر ہوئے ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو ایک حکم تو کلوا من الطیبات (پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ) ہے جو دونوں میں صراحۃً مشترک ہے کیونکہ مومنین کو بھی یہی حکم ہوا ہے 'كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ' پاک چیزیں جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائیں ہیں ان میں سے کھاؤ'' اور دوسرا امر(۲) انبیاء کو وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ''اور نیک عمل کرو'' ہوا ہے اس کے مقابلہ میں یہاں وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ ''اور اللہ کی شکر گزاری کرو'' ہے تو اس حدیث کی بنا پر وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ کی تفسیر اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا اے آل داؤد عمل کرو شکریہ کے طور پر یہاں شکرا مفعول بہ نہیں بلکہ مفعول لہ ہے جس کے بڑھانے میں اس پر تنبیہ ہے کہ تم سے عمل کو بے وجہ نہیں کہا جاتا بلکہ تم پر عقلاً شکر لازم ہے اور وہ زبان ہی سے فقط نہیں ہوتا بلکہ حقیقت شکر کی یہ ہے کہ کچھ کر کے دکھاؤ زبانی شکریہ کافی نہیں بلکہ عملی شکر بجالاؤ۔

شکر کی حقیقت

اہل بلاغت نے بھی اس راز کو سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ حمد تو زبان کے ساتھ خاص ہے اور شکر زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ قلب اور لسان اور

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۷۲ (۲) دوسرا حکم۔

جوارح(۱) سب سے ہوتا ہے اور گو زبانی شکریہ میں شکر کی تصریح ہوتی ہے اور عملی شکر میں اس کی تصریح نہیں ہوتی مگر درجہ عملی شکر کا بڑھا ہوا ہے۔ دیکھو اگر تم اپنے دو غلاموں کو انعام دو جن میں سے ایک غلام نے تو محض زبان سے شکریہ ادا کر دیا اور ایک غلام روپیہ اور خلعت ہاتھ میں لے کر آپ کے پیروں میں گر پڑا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر زبان سے کچھ نہیں کہا تو بتلاؤ کس کا شکر بڑھا ہوا ہے یقیناً جو پیروں میں گر پڑا اس کا شکر بڑھا ہوا ہے معلوم ہوا کہ شکر عمل سے بھی ہوتا ہے اور اس میں قدر نعمت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زبان روشن ترست لیک عشق بے زبان روشن گرست

''اگرچہ زبان کی تفسیر روشن تر ہے لیکن بے زبان کا عشق زیادہ روشن بنانے والا ہے''

شکر کی صورت اور حقیقت

اور اگر زبان سے بھی شکریہ ہو اور پھر پیروں میں گر پڑے تو یہ تو نور علی نور ہے یہ اس لئے کہہ دیا کہ شاید کوئی اس تقریر سے یہ سمجھ جائے کہ میں زبانی شکریہ کو بے کار کہتا ہوں نہیں بے کار تو وہ بھی نہیں مگر اس پر اکتفا کر لینا غلطی ہے کیونکہ وہ تو محض صورت ہے۔ حقیقت شکر عمل ہے پس ہم کو حقیقت کا لحاظ زیادہ کرنا چاہئے اور جو لوگ جامع اور محقق ہوتے ہیں وہ صورت اور حقیقت دونوں کی رعایت کرتے ہیں۔

حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب m

حضرت حاجی صاحب(۲) قدس اللہ سرہ کا واقعہ ہے کسی نے شریف مکہ سے آپ کی چغلی کھادی تھی جس کی وجہ سے شریف کچھ ناراض تھا ایک دفعہ شریف

(۱) دل، زبان، اور تمام اعضاء سے ہوتا ہے (۲) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔

کے کوئی مصاحب حاجی صاحب سے ملنے آئے لوگوں نے دل میں خیال کیا کہ حاجی صاحب ان سے نرمی کا برتاؤ کریں اور اس کی خاطر کریں تو اچھا ہے تاکہ یہ شریف کے دل پر سے اس شکایت کے اثر کو دھوڈالیں مگر حاجی صاحب کے یہاں یہ پالیسیاں کہاں تھیں کسی بات پر شریف صاحب کا تذکرہ آگیا تو حاجی صاحب نے مصاحب کے ساتھ تیز گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ شریف صاحب میرا کرکیا لیں گے بیش بریں نیست (۱) کہ مجھ کو مکہ سے نکال دیں گے تو میں جہاں بیٹھوں گا وہیں میرا مکہ مدینہ ہے کیونکہ کعبہ کی حقیقت شان الوہیت ہے اور مدینہ کی حقیقت شان عبدیت ہے اور یہ شانیں عارف کے ساتھ ساتھ ہیں چاہے وہ کہیں رہے پھر مکہ سے نکال کر وہ میرا کیا بگاڑ دیں گے اس کے بعد شان محققیت کا ظہور ہوا تو فرمایا لیکن محقق صورت و معنی دونوں کو جمع کرنا چاہتا ہے اور جب تک ہوسکتا ہے وہ صورت کو بھی ترک نہیں کرتا اس میں اس سوال کا جواب تھا کہ جب عارف کے پاس حقیقت کعبہ وحقیقت مدینہ ہر دم موجود ہے تو پھر مکہ اور مدینہ جانے کی اور وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے بتلادیا کہ محقق صورت کی بھی قدر کرتا ہے۔

اسی طرح جو جامع ہیں وہ زبان سے بھی شکر کرتے ہیں اور عمل کرتے ہیں اور عمل سے بھی ان کا یہ حال ہوتا ہے ؎

افادتکم النعماء منی ثلثة یدی ولسانی والضمیر المحجبا

''تمہیں میری تین نعمتوں سے زیادہ نفع پہنچتا ہے ہاتھ، زبان اور پوشیدہ ضمیر''

کامل شکر

کامل شکر یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک خدا ہی کا ہوجائے ہر بن مو (۲)

(۱) اس سے زیادہ اور کیا کرسکتے ہیں کہ مجھے مکہ سے نکال دیں گے (۲) بال بال شکر گذار بن جائے۔

سے شکر ظاہر ہو۔ بہرحال وَاشْكُرُوْا لِلّٰه کی تفسیر راجح وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ہے اب ضرورت عمل اچھی طرح ظاہر ہوگئی کیونکہ معلوم ہوگیا کہ حق تعالیٰ نے عمل کا بہت اہتمام فرمایا ہے کہ ادھر رسولوں کو عمل کا حکم دیا ادھر مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم کیا معلوم ہوا کہ عمل سے استغناء انبیاء کو بھی نہیں ہوا پھر ہم اور آپ اس سے استغناء کرنے والے کون ہیں پس وہ لوگ بڑی غلطی میں ہیں جو احوال و کیفیات کو اصل مقصود سمجھے ہوئے ہیں اور اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں۔

عبدیت کے کام

آگے فرماتے ہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ ''اگر تم ان سے خاص غلامی کا تعلق رکھتے ہو'' ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کو برادری یا نوکری کا تعلق تو ہے نہیں محض عبدیت و مالکیت (۱) کا تعلق ہے کہ ہم غلام ہیں وہ مالک ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خدا تعالیٰ سے علاقہ عبدیت ہے تو عبدیت کے کام کرو یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو ثمرات غیر مطلوبہ کے لئے عمل کرتے ہیں۔ صاحبو! اگر کوئی نوکر بھی ہو اور ہر کام میں اجرت پر نظر رکھتا ہو تو وہ بھی ایک دن جوتے کھائے گا اور غلام کو تو اجرت کا کچھ حق ہی نہیں اگر غلام ہر عمل میں اجرت مانگنے لگے تو اس کی کیا گت بنے گی۔ اس کو ہر شخص خود ہی سمجھ لے پھر ہم کو اجرت پر نظر کرنے کا کیا حق ہے۔

مسئلہ غلامی کی حقیقت

کیونکہ یہ غلام جو بازاروں میں بکتے ہیں حقیقت میں کامل غلام نہیں کیونکہ اس غلامی کا راز یہ ہے کہ اس نے عبداللہ بننے (۲) سے انکار کیا تھا اس لئے سزا کے

(۱) ہم اللہ کے بندے اور اس کی ملک میں (۲) اللہ کا بندہ بننے سے انکار کیا تھا۔

طور پر عبداللہ کا عبد(۱) بنایا گیا لوگ اس کو خلاف عقل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل عقل کے موافق ہے سلاطین بھی سزا کے لئے کسی عہدہ دار کا تنزل کر دیتے ہیں اگر ایک تھانہ دار سرکشی کرتا ہے تو اس کو لین حاضر کر دیتے ہیں جہاں وہ ان لوگوں کا محکوم ہو جاتا ہے جن پر ایک وقت میں حاکم تھا نیز اگر کوئی چھوٹا بادشاہ بڑے بادشاہ سے بغاوت کرتا ہے تو اس کو قید کر کے ایک معمولی جیلر کی سپردگی میں دے دیتے ہیں کہ اس کی بغیر اجازت نہ وہ کہیں جا سکتا ہے نہ آ سکتا ہے پھر اگر خدا تعالیٰ اپنے باغی کو اپنے دوسرے تابعدار بندہ کے سپرد کر دیں تا کہ اس کا دماغ ڈھیلا ہو جائے تو اس میں خلاف عقل کونسی بات ہے میں بھی اپنے بعض متعلقین کو جن میں تکبر ہوتا ہے اپنے مجازین کے سپرد کر دیتا ہوں تا کہ عار و استکبار کا مادہ نکل جائے۔ غرض یہ غلام کامل نہیں اسی لئے بعض دفعہ بلا قصد مالک کے آزاد بھی ہو جاتا ہے۔ شرعی مسئلہ ہے من ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه (سنن الترمذی: ۱۳۶۵، کنز العمال ۲۹۶۷۳) جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے وہ ملک میں آتے ہی معاً آزاد ہو جاتا ہے مثلاً کوئی اپنے بیٹے یا بھائی کو خریدے تو فوراً آزاد ہو جائے گا۔ یہ اس غلامی کی حقیقت ہے مگر پھر بھی اس غلام کو کسی کام پر آقا سے اجرت مانگنے کا حق نہیں پھر ہم کو خدا تعالیٰ سے اجرت مانگنے کا کیا حق ہے جبکہ ہم کامل غلام ہیں کیونکہ ہر شخص حق تعالیٰ کا حقیقی غلام ہے وہ رازق ہیں اور خالق ہیں ان سے بڑھ کر کون مالک ہوگا۔ اسی لئے فرماتے ہیں اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم کو خدا تعالیٰ سے علاقہ عبدیت ہے اور یقیناً ہے تو پھر عمل کا اہتمام کرو کچھ غلامی کے کام کر کے دکھاؤ مگر افسوس کہ اسی سے لوگوں کو غفلت ہے احوال کی طلب ہے اور اعمال سے سستی ہے حالانکہ اس راستہ میں سب سے زیادہ کام کی ضرورت ہے۔

(۱) بندے کا بندہ بنا دیا گیا۔

اصل مقصود اعمال ہیں

آج کل جو لوگ تصوف بھنگارتے ہیں وہ باتیں تو بہت بناتے ہیں مگر نماز میں ٹکریں ہی مارتے ہیں حالانکہ اصل مقصود اعمال ہیں اگر حال ومواجید ہوں اور اعمال نہ ہوں تو ہیچ ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بتمنا گریستن

''عرفی رحمۃ اللہ علیہ اگر رونے سے وصال ممکن ہوتو میں اس کی تمنا میں سو سال روسکتا ہوں''

رونے سے اور کپڑے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے اگر بدون عمل کے رونا کوئی اچھی چیز ہے۔

روافض کا ماتم

تو پھر رافضی (۱) بڑے صاحب کمال ہونے چاہئیں کیونکہ ان کے یہاں بات بات میں رونا ہی ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے بدون عمل کے تو یہ نحوست کی علامت ہے۔ بڈولی (۲) کے رافضی ہر بات میں مجلس عزا کرتے تھے ایک صاحب نے کہا تھا کہ وہ شیعی تھے اور مجلس میں بیان کرنے کے لئے بلائے جایا کرتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے بڈولی غارت ہوگی کیونکہ یہاں ہر وقت رونا ہی رونا رہتا ہے چنانچہ واقعی غارت ہی ہوگئی۔ دوسرے بدون عمل کے جو رونا ہوتا ہے وہ تکلف اور آورد (۳) سے ہوتا ہے احوال صادقہ عمل ہی کی برکت سے حاصل ہوتے ہیں اس کے بغیر نہیں ہوسکتے چنانچہ رافضیوں کا رونا تکلف ہی سے ہوتا ہے ورنہ جس کو واقعی

(۱) شیعہ (۲) جگہ کا نام ہے (۳) وہ مشکل سے رونا اختیار کرنا پڑتا ہے۔

رنج کی وجہ سے رونا آتا ہو کیا وہ کہیں رونے کے بعد مٹھائی بھی تقسیم کرتا ہرگز نہیں مگر رافضیوں کی یہ حالت ہے کہ مجلس عزا میں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں کانپور میں ہمارے یہاں ایک کھانا پکانے والی تھی وہ ہمارے یہاں آنے سے پہلے ایک شیعی نواب کے گھر نوکر تھی وہ بیان کرتی تھی کہ ایک بار ان کے یہاں زنانہ میں مجلس عزا تھی یہ بھی شریک تھی عورتیں ہائے حسین ہائے حسین کہہ کر روتیں اور اس کے بعد مٹھائی بانٹتیں اتفاق سے اس کو بھول گئیں اور پھر اسی ماتم میں مشغول ہوگئیں کہ ہائے حسین ہائے حسین۔ اس نے ہائے جلیبی ہائے رکیبی کہنا شروع کیا سب عورتیں ہنس پڑیں یہ ہے ان کا رونا کانپور میں ایک شخص وکیل کالے خان ہمارے ملنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ محرم کے زمانہ میں اتفاق سے لکھنو جانا ہوا ایک ملنے والے رافضی نے کہا کہ آپ کبھی امام کی مجلس میں نہیں چلتے میں نے کہا امام کی مجلس کہاں ہے کہنے لگا سبحان اللہ آج کل تو خدا جھوٹ نہ بلاوے سینکڑوں جگہ امام کی مجلس ہوتی ہوگی میں نے کہا صاحب میں تو برسوں سے آتا جاتا ہوں میں نے آج تک امام کی مجلس کا نام بھی نہیں سنا اور آپ تھوڑی دیر یہاں دکان پر تشریف رکھئے ابھی آپ کو معلوم ہوجائے گا چنانچہ وہاں مختلف لوگ آتے تھے اور یہ تذکرہ کرتے تھے کہ فلاں جگہ شیر مال اور گوشت کی مجلس ہے اور فلانی جگہ فیرینی اور پلاؤ کی اور فلاں جگہ جلیبیوں کی، غرض جس سے بھی پوچھتے وہ کسی کھانے کی چیز کا نام لے دیتا تھا کالے خان نے کہا آپ نے دیکھا یہاں تو مٹھائیوں کی مجلسیں ہوتی ہیں امام کی مجلس ایک بھی نہیں ہوتی اور نہ کوئی امام کا نام لیتا ہے تو جو لوگ مجلس عزا میں یہ سامان کرتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دل سے غم کر کے روتے ہیں۔ بھلا غمزدوں کو کہیں یہ مستیاں بھی سوجھتی ہیں ہم تو جب جانیں کہ کسی کا باپ یا بیٹا مر جاوے اور وہ اس

دن رونے پیٹنے کے بعد مٹھائی تقسیم کرے اور کھاوے کھلاوے۔

اہل وجد کا حال

یہی حال آج کل اہل وجد کا ہے کہ ان کا زیادہ تر حال وجد تکلف اور تصنع (۱) سے ہوتا ہے ایک صوفی کو قوالی کی مجلس میں حال ہوا خوب کودے اچھلے تو لوگوں نے اس کی چادر قوالوں کو دے دی کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب حال قوالوں کو کچھ دیا کرتا ہے بس چادر کا قوالوں کے ہاتھ میں جانا تھا کہ فوراً آپ کا حال ختم ہوگیا اور لگے گڑگڑانے کہ یہ چادر میرا نہیں دوسرے سے مانگ کر لایا تھا قوالوں نے کہا کہ حضور آپ نے ہم کو دیا ہے کہنے لگے میں نے نہیں دیا وہ بولے حضور وجد میں آپ کو یاد نہیں رہا کہنے لگے مجھ کو خوب یاد ہے میں نے نہیں دیا بڑی دقت سے آٹھ آنہ میں واپس ملا مگر پھر اخیر تک وجد نہ ہوا آج کل لوگوں نے حال ووجد کو بھی رسم بنالیا ہے ورنہ واقعی حال تو کسی کسی پر طاری ہوتا ہوگا زیادہ تر تو بناوٹ ہوتی ہے اور کسی پر واقعی حال بھی طاری ہو تو بدون عمل کے سب ہیچ ہے (۲) اور آج کل حال وقال ووجد والے عمل سے اکثر کورے ہیں۔ ہاں یہ اعمال رہ گئے ہیں کہ عرسوں میں شریک ہوگئے فاتحہ اور ختم میں جا پہنچے قوالی میں اچھل کود لئے اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں نسبت صوفیہ غیمتے ست کہری امارسوم شان بہ ہیچ نیرزد۔ لوگ ہمارے مجمع کو خشک بتلاتے ہیں کہ یہ تو نرے مولوی ہیں میں کہتا ہوں کہ اور کیا چاہتے ہو مولوی کہتے ہیں مولوی والے یعنی اللہ والے کو کیا یہ تھوڑی بات ہے دوسرے میں کہتا ہوں کہ جس ہنڈیا کی بھاپ نکلتی رہے وہ خالی ہوجائے گی یا وہ جس کا منہ اوپر سے نہایت مضبوطی کے ساتھ بند کردیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی

(۱) ان کا وجد بناوٹی ہوتا ہے (۲) بغیر عمل کے سب بیکار ہے۔

بھاپ نکل رہی ہے وہی خالی ہوجائے گی تو اب بتلاؤ کہ تم خشک ہوئے یا ہم تمہاری تو یہ حالت ہے کہ جہاں کچھ ولولہ دل میں پیدا ہوا اور تم نے قوالی سن کر دل کا بھڑاس نکال لیا اور یہاں یہ حالت ہے کہ اندر ہی اندر گھٹتے ہیں دل کا بھڑاس کبھی نہیں نکلتا جتنی بھاپ پیدا ہوتی ہے سب اندر ہی بند رہتی ہے پھر ہم خشک کیونکر ہوگئے۔

اعمال میں خلوص کی ضرورت

صاحبو! عمل کا اہتمام چاہئے ان احوال ومواجید(۱) میں کیا رکھا ہے بدون عمل کے یہ سب بے کار ہیں مگر عمل ہی آج کل بہت کم ہوگیا ہے بلکہ جو لوگ عمل کرتے بھی ہیں ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے عمل بہت کم ہے حالانکہ اسی آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرو۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ کوئی بزرگ بننے کے واسطے عمل کر رہا ہے کوئی لذت کے واسطے کوئی احوال وکیفیات کے واسطے یاد رکھو کہ بدون خلوص کے عمل قبول نہیں ہوتا۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی m

شیخ بایزید بسطامی m نے ایک بار سورۂ طہ پڑھی تھی پھر خواب میں دیکھا کہ نامہ اعمال میں یہ سورت لکھی ہوئی ہے مگر ایک آیت کی جگہ خالی ہے ملائکہ سے پوچھا کہ یہ آیت کیوں نہیں لکھی گئی میں نے تو اس کو بھی پڑھا تھا جواب ملا کہ اس وقت ایک شخص وہاں گذر رہا تھا تم نے اس کے سنانے کو اس آیت کو سنوار کر پڑھا تھا تو یہ آیت تم نے اخلاص کے ساتھ نہیں پڑی تھی اس لئے قبول نہیں ہوئی جگہ خالی چھوڑ دی گئی اگر کبھی خلوص سے پڑھ دو گے تو لکھ دی جائے گی۔

(۱) وجد اور حال طاری ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

اشکال کا جواب

اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ بعض دفعہ قراء سے فرمائش کی جاتی ہے کہ تھوڑا قرآن سنادو اب اگر وہ سنوار کر پڑھیں تو ریاء لازم آتی ہے کہ مخلوق کے لئے بنابنا کر پڑھا جاتا ہے اور اگر معمولی طور سے پڑھیں یا انکار کردیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اس میں عرصہ تک مجھے اشکال رہا پھر خدا تعالیٰ نے سمجھا دیا جواب یہ ہے کہ سنوار کر پڑھنے کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے ہم قاری مشہور ہوں گے یہ تو واقعی ریاء ہے اور ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ ایک مسلمان کا جی خوش ہوگا یہ ریاء نہیں بلکہ موجب ثواب ہے۔

تطییب قلب مسلم (۱) میں ریا نہیں

کیونکہ تطییب قلب مسلم مطلوب ہے اور اس کی دلیل مجھے حدیث سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز میں حضرت ابوموسی اشعری h کا قرآن سنا یہ بہت خوش الحان تھے صبح کو آپ نے فرمایا کہ اے ابوموسی رات میں نے تمہارا قرآن سنا لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داوٗد (الصحیح للبخاری ۲۴۱،۶، الصحیح لمسلم ،صلوۃ المسافرین ۲۴ ، رقم ۲۳۶) تم کو خدا تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کی خوش الحانی سے حصہ عطا کیا ہے اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے عرض کیا لو علمت بك يا رسول الله لحبرته لك تجبيرا یارسول اللہ اگر مجھے یہ خبر ہوجاتی کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اور زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا اور حضور ﷺ نے ان کے اس قول پر نکیر نہیں فرمایا پس آپ کی تقریر سے یہ

(۱) مسلمان کا دل خوش کرنے میں۔

بات ثابت ہوگئی کہ حضور ﷺ کی خاطر سے قرآن کو بنا سنوار کر پڑھنا جائز تھا کیونکہ اس میں تطییب قلب نبی ﷺ تھی اور یہ ریا نہیں بلکہ یہ بھی خدا ہی کے لئے سنوارنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے تطییب قلب نبی کا امر فرمایا ہے حضور ﷺ کا راضی کرنا خدا کا راضی کرنا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ''جس شخص نے رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی'' اس درجہ میں آپ کے خوش کرنے کے لئے پڑھنے کو یوں نہ لکھا جائے گا کہ غیر حق کے لئے پڑھا مجھ سے ایک دوست نے پوچھا کہ حاجی صاحب نے لا الٰہ الا اللہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ لا الہ کہتے ہوئے یہ تصور کرے کہ غیر حق قلب سے نکل گیا تو کیا حضور ﷺ کو بھی قلب سے نکالے میں نے کہا نہیں کیونکہ صوفیہ کی اصطلاح میں جو کہ محاورات کے غیر کہتے ہیں متغائر فی الحقیقۃ والماہیت کو اور حاجی صاحب کی مراد غیر سے اصطلاح صوفیہ کی ہے نہ کہ فلاسفہ کی موافق ہے غیر کہتے ہیں بے تعلق کو اور فلاسفہ کے پس چونکہ حضور ﷺ حق تعالیٰ سے بے تعلق نہیں ہیں بلکہ محبوب اور موصل الی اللہ ہیں اس لئے آپ مصداق غیر کے نہیں ہیں۔ غرض جو کام ایسے شخص کے راضی کرنے کے لئے ہو جس کے ارضاء کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ کام خدا ہی کے لئے ہے پس قراء کا قرآن کو سنوار کر سنانا اس نیت سے جائز ہے اتنا فرق ہے کہ وہاں ارضاء قلب نبی ﷺ ہوتا اور یہاں ارضاء قلب مومن ہے اور ارضاء قلب مومن بھی شرعاً محمود ہے لہذا اس نیت سے قرآن کو سنوار کر پڑھنا ریاء نہیں۔

قرآن فروشی

مگر اس سے یہ نہ سمجھیں کہ روپے پیسے لینے کی نیت سے بھی سنوارنا جائز ہے یہ تو قرآن فروشی ہے۔ جس کی ممانعت ہے کانپور میں ایک عرب قاری صاحب

نے مجھے قرآن سنایا بہت ہی عمدہ پڑھا پھر میں ایک رئیس کو جو میرے دوست تھے ان کے پاس لایا تا کہ وہ بھی قرآن سنیں اور قاری صاحب کی کچھ خدمت کردیں کسی نے ان قاری صاحب کے بھی کان میں کہہ دیا کہ یہ بڑے رئیس ہیں۔ انہوں نے ایسا بنایا کہ بگڑ گیا تو یہ جائز نہیں کہ رئیسوں کو بنا سنوار کر اس لئے سناؤ تا کہ وہ کچھ خدمت کردیں ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تم خلوص سے یا تطییب قلب مسلم کی نیت سے سنوار کر پڑھو پھر وہ خلوص سے خدمت کردیں تو اس وقت قبول ہدیہ کا مضائقہ نہیں مگر ادب یہ ہے کہ ہدیہ دینے والا مجلس قراءت میں ہدیہ نہ دے اور اگر وہ مجلس قراءت ہی میں دے تو قاری کو اس مجلس میں ہدیہ قبول نہ کرنا چاہئے۔

ایک متقی قاری کی حکایت

ایک لکھنو کے قاری صاحب کا قصہ سنا ہے کہ وہ حج کے سفر میں تھے راستہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا بے چارے ایک بستی کی مسجد میں جا ٹھہرے صرف ایک لنگی بدن پر رہ گئی تھی اور کچھ نہ تھا لوگوں نے ان کا قرآن سنا تو عجیب وغریب پڑھتے تھے وہاں ایک مسلمان رئیس تھے لوگوں نے ان کو خبر کی کہ ایک قاری نہایت عمدہ قرآن پڑھتے ہیں اور فلاں مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بے چاروں کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے رئیس کو ان کا قرآن سننے کا شوق ہوا تو اپنے ساتھ کچھ کپڑے اور کچھ روپے لے کر مسجد میں گئے اور قاری صاحب سے قرآن سنانے کی درخواست کی انہوں نے سنادیا تو رئیس پر بہت اثر ہوا اور وہ کپڑے اور روپے وغیرہ جو ساتھ لائے تھے پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں میں واقعی اس کا محتاج ہوں مگر اس وقت آپ قرآن سن کر دے رہے ہیں اس لئے میں نہیں لے سکتا کیونکہ یہ آیت مجھ کو اس ہدیہ کے قبول سے منع کرتی ہے۔ وَلَاتَشْتَرُوْا

بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلاً ''میرے احکام کے مقابلہ میں معاوضہ حقیر مت لو'' اگر آپ قرآن سننے سے پہلے دیتے تو میں لے لیتا۔ سبحان اللہ مخلص اور متقی ایسے ہوتے ہیں آج کل قراء تو ایسی احتیاط کیا کریں گے مشائخ بھی نہیں کرتے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اعمال میں ایک کوتاہی یہ ہورہی ہے کہ لوگ خلوص کا اہتمام نہیں کرتے خلوص پر ایک اشکال قراء کے سنانے میں پڑا تھا اس کو میں نے حل کردیا اب اس مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ ایک کوتاہی یہ ہورہی ہے کہ ہم اعمال کی صورت کو بھی درست نہیں کرتے اول تو ہمارے اعمال میں محض نقل ہی نقل رہ گئی ہے روح کا پتہ ہی نہیں۔

ہماری نقل بھی ناقص ہے

مگر ستم یہ ہے کہ ہماری نقل بھی ناقص ہے ہم پوری طرح نقل بھی نہیں کرتے پوری نقل ایسی ہوتی ہے جیسے عالمگیر کے بہروپئے نے کی تھی عالمگیر m جب تخت نشین ہوئے امیدوار انعام کے لئے جمع ہوگئے ایک بہروپیہ بھی آیا اس کو دینا مناسب نہ سمجھا مگر سادہ انکار خلاف ادب شاہی سمجھا عذر یہ کیا کہ تمہارا کمال یہ ہے کہ ایسی صورت سے آؤ کہ پہچان نہ ہو اس وقت مستحق انعام کے ہوگے وہ طرح طرح کی شکلیں بدل کر آتا مگر یہ ایسے عاقل تھے کہ کبھی اس بہروپیہ کے دھوکے میں نہ آتے تھے جس روپ میں آتا تھا فوراً پہچان لیتے تھے آخرکار ایک دفعہ عالمگیر نے دکن کا ارادہ کیا اور راستہ میں جتنے بزرگ اولیاء اللہ تھے سب سے مل کر دعاء کی جانے کا قصد کیا بہروپیہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا وہ بھی راستہ میں ایک پہاڑ پر صوفی بن کر بیٹھ گیا ایک دو اس کے چیلے تھے انہوں نے بستی میں شہرت دے دی کہ فلاں پہاڑ پر ایک بڑے بزرگ اللہ والے رہتے ہیں لوگ جوق جوق اس کے پاس آنے لگے کسی نے عالمگیر کو بھی اطلاع کردی کہ حضرت کے راستہ میں ایک بزرگ

اور بھی ہیں چنانچہ عالمگیر جب یہاں پہنچے تو اس سے بھی ملے اس زمانہ کے بہروپئے ذی علم ہوتے تھے اس لئے اس نے عالمگیر کے سامنے مسائل تصوف خوب بیان کئے اور ایسی ایسی نصیحتیں کیں کہ عالمگیر رونے لگے چلتے ہوئے انہوں نے ہزار روپے نذر پیش کئے بہروپیہ نے لینے سے انکار کر دیا کہ اسی دنیا کو چھوڑ کر تو میں یہاں پہاڑ پر بیٹھا ہوں تم مجھے اس سے ملوث کرنا چاہتے ہو اپنی دنیا کو اپنے ساتھ لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں عالمگیر نے روپے اٹھالئے اور اس سے دعائیں لے کر روتے ہوئے رخصت ہوئے راستہ میں وزیر اور بادشاہ دونوں تعریف کر رہے تھے کہ ایسا بزرگ کوئی نہیں دیکھا اس وقت بہروپیہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا عالمگیر نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے فوراً جھک کر سلام کیا عالمگیر نے غور کیا پہچان لیا اور کہا بھائی واقعی آج تو نے مجھے دھوکہ دے دیا۔ اس کے بعد خیمہ پر پہنچے تو خزانچی کو حکم دیا کہ پچاس روپے اس کو دے دو چنانچہ دے دیئے گئے اور اس نے قبول کر لئے اب عالمگیر نے پوچھا کہ میاں اس کی کیا وجہ تھی کہ تم نے اس وقت تو تھوڑے سے روپے بھی لے لئے اور پہاڑ پر ہزار روپے نہ لئے اگر تم لے لیتے تو میں واپس تھوڑا ہی لیتا بہروپیہ نے کیا عجیب جواب دیا کہا اس وقت میں نے تارکین دنیا کی نقل بنا رکھی تھی اگر اس وقت لے لیتا تو نقل پوری نہ ہوتی ناقص رہ جاتی جو میرے کمال پر ایک دھبہ ہوتا اور اب تو میں نے اپنے پیشہ سے کمایا ہے سو میرا کام ہی یہ ہے اس لئے اس وقت جو کچھ دیا گیا میں نے لے لیا۔ اس حکایت سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ واقعی ہم لوگ نقل بھی ٹھیک نہیں کرتے۔

اعمال صالحہ کا ثمرہ

پوری نقل تو وہ ہے جس میں تمام ظاہری شرائط وآداب تو موجود ہوں ہم

باطنی آداب کو کیا ہی ادا کریں گے ہم سے ظاہری آداب کی بھی رعایت نہیں ہوتی چنانچہ اکثر لوگوں کی نماز میں رکوع سجدہ بھی ٹھیک نہیں ہوتا یہی حال تمام اعمال کا ہے جس کی وجہ وہی غفلت ہے کہ آج کل لوگوں کو اعمال کا ذرا اہتمام نہیں حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ عبدیت کی شرط عمل ہے۔ جس میں عمل نہیں اس کی عبدیت میں نقص ہے(۱) پس اول تو اعمال کا اہتمام علاقہ عبدیت کی وجہ سے ضروری ہے پھر اس کے ثمرات دنیا میں بھی بہت حاصل ہوتے ہیں گو ان کا قصد نہ چاہئے چنانچہ احادیث میں ہے کہ اعمال صالحہ سے مال میں برکت ہوتی ہے عمر میں برکت ہوتی ہے جاہ میں ترقی ہوتی ہے اور قرآن میں ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾(۲) ''جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کا اللہ تعالیٰ عنقریب دوست بن جائے گا'' اس میں اعمال صالحہ کا ثمرہ یہ بتلایا گیا ہے کہ نیک عمل کرنے والوں کی محبت عام طور پر قلوب میں ڈال دی جاتی ہے مگر تم ان ثمرات کی نیت کرو تم تو محض رضاء محبوب کی نیت کرو ان کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز پر نظر کرنے کی کیا ضرورت ہے مسلمان کا مذاق تو یہ ہونا چاہئے۔

ہمہ شہر پر زخوبان منم و خیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

''سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند کے خیال میں مست ہوں کیا کروں میں، کاش کہ بدخو کی نظر کسی پر نہ پڑتی''

اور یہ ہونا چاہئے

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگزار ندو خم طرہ یارے گیرند

''مصلحت نہیں کہ راز ظاہر ہو ورنہ رندوں کی مجلس کوئی خبر ایسی نہیں کہ نہ ہو''

تم ایک کا قصد کرو باقی سب چیزیں ساتھ ساتھ خود ہی آجائیں گی۔

(۱) اس کی غلامی میں کمی ہے (۲) سورۃ المریم: ۹۶۔

دنیا کی عجیب مثال

ہمارے حاجی صاحب m فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے ساتھ ایسی ہے جیسے پرندہ اور سایہ آخرت پرندہ ہے اور دنیا سایہ ہے تم پرندہ کو پکڑ لو سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلا آئے گا اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ قبضہ میں آئے گا نہ یہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کے پاس مال بہت آجاتا ہے نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو راحت اور چین دے دیتے ہیں جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس کو وہ راحت دیتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی چاہے اس کے پاس مال و دولت کچھ بھی نہ ہو مگر اطمینان اور انشراح قلب سے زیادہ ہوتا ہے خوب کہا ہے۔

چوں ترا نانے وخرقانے بود ہر بن موئے تو شیطانے بود

''جب تیرے پاس کھانے کی اشیاء ہیں اس وقت تک تیرا بال بال بادشاہ ہے''

شاید کسی کو شبہ ہو کہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر جب فقر و فاقہ پڑا ہوگا تو نانی یاد آئی ہوگی تو میں سچ کہتا ہوں کہ ان کو نہ نانی یاد آئی تھی نہ دادی ہاں خدا بے شک یاد آیا تھا۔ صاحبو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے آزما کر مشاہدہ کر لیجئے واقعی اہل اللہ سلاطین سے زیادہ سکون میں ہیں۔ ان کی یہ شان ہے۔

مبین حقیر گدایاں عشق را کیں قوم شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

''گدایان عشق کو حقیر مت سمجھو یہ لوگ تخت و تاج کے بادشاہ ہیں''

اور

گدائے می کدہ ام لیک وقت مستی بیں کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کنم

''میں گدائے میکدہ ہوں مگر مستی کے وقت دیکھ کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں''

رہا یہ کہ جب اہل اللہ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں تو پھر حق تعالیٰ ان کو فقر و فاقہ کیوں دیتے ہیں صرف مال و دولت کیوں نہیں دیتے۔

دولت جمعیت باطن

اس کا جواب خود حدیث میں دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کو چاہتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسا بچاتے ہیں جیسا کہ تم استسقاء(۱) کے مریض کو پانی سے بچاتے ہو کیونکہ زیادہ مال و دولت جمع ہونے سے وہ جمعیت باطن فوت ہو جاتی ہے۔ جس پر راحت کا مدار ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم بھی ہیچ ہے۔

آنکس کہ توانگرت نمی گرداند مصلحت تو از تو بہتر داند

''جس نے تجھ کو مالدار نہیں بنایا، تو وہ تیری مصلحت کو تجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہے''

ہاں جن لوگوں کو کثرت مال سے دینی ضرر نہیں ہوتا ان کو حق تعالیٰ مال بھی بہت دیتے ہیں چنانچہ بعض اہل اللہ کو حق تعالیٰ نے ظاہری سامان بھی اتنا دیا ہے کہ سلاطین کو نصیب نہ تھا پس تم اپنے لئے کچھ تجویز نہ کرو وہ تمہاری مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور آیت کا ترجمہ پھر کئے دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور اللہ کے لئے شکر یعنی عمل کرو اگر تم کو خدا تعالیٰ سے علاقہ عبدیت ہے پس ہم کو عمل کا اہتمام کرنا چاہئے۔ میرا اصل مقصود اس وقت عمل کی افراط و تفریط کا بیان کرنا تھا مگر

(۱) جس کو پیاس کا مرض ہو۔

اہتمام عمل ہی کے بیان میں زیادہ وقت صرف ہوگیا اب افراط وتفریط کے متعلق بیان کروں تو وقت اور زیادہ صرف ہوگا اور اتنی گنجائش نہیں اس لئے ختم کرتا ہوں اگر موقع ہوا تو ان شاء اللہ پھر کبھی اسکے متعلق بیان ہوجائے گا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

آمین وصلی اللّٰہ تعالی وسلم علی خیر خلقه سیدنا محمد و علی اله واصحابه اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔ (۱)

اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور شکر ظاہری وباطنی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۱/ستمبر ۲۰۱۳ء